Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ایک باخبر مزاج رکھنے کے باعث وہ اَپنے آپ کو تعلیم یافتہ اَور ہوشیار آدمی تصور کرتا تھا۔ آج جہانگیر سے مِل کر اِس کے اعتماد کو ایک دھچکا لگا تھا۔ اِس کو پہلی بار علم ہوا تھا کہ دُنیا کے بیشتر کاروبار کِس اصلیت کے تحت چلتے ہیَں اَور کون سی ایسی قوتیں ہیَں جو زندگیوں پر قدرت حاصل کر کے ان کی سمت متعین کرتی ہیَں۔ یہ انسانی ذہانت کا ایک نیا رخ تھا جس سے وہ اب تک نابلد رہا تھا۔ اب اِس کے اَندر دو مختلف طاقتیں برسرپیکار تھیں، ایک بشیر کی جذباتی ذہانت جس کا منبع اِس کا ماحول تھا۔ دُوسری جہانگیر کی چالاک ذہانت جو انسانی جبلت سے پھُوٹتی تھی۔ اعجاز کو احساس تھا کہ یہ دونوں کبھی ایک دُوسری کو کاٹتی ہُوئی گزُرتی تھیں اَور کبھی الگ ہو کر متوازی چلنا شرُوع کر دیتی تھیں۔ اسے اَیسا لگا جیَسے اِس کے اَندر ایک نئی آنکھ وا ہو گئی ہو جس نے اِس کی بینائی میں مزید ایک تہہ کا اضافہ کر دیا ہو۔ ساتھ ہی اسے اِس بات کا علم بھی ہوا کہ نظر کی اس وسعت سے ذہن صاف ہونے کی بجائے زیادہ گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لئے، اِس نے سوچا، لوگ کسی آسان گرُو کی تلاش میں رہتے ہیَں جس پہ کاوش خرچ نہ ہو۔ ان باتوں کے علاوہ اَور ان سے کہیں زیادہ اَور، دو واقعے ایسے تھے جنہوں نے اِس کے دِل میں کھُدبُد لگا رکھی تھی۔ ایک کنیز کا قصہ تھا، جو اب راز نہ رہا تھا اَور کئی لوگوں کے علم میں آچُکا تھا۔ اِس کے ساتھ ہی لگتا ہُوا سکینہ کا وہ طعنہ تھا جو وقت گزُرنے کے ساتھ تیز ہوتا ہُوا اِس کے سینے میں اُترتا جا رہا تھا۔ سیدھا گھر واپس آنے کی بجائے وہ بائیسکل پر اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ جب وہ گھر پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔

سکینہ اَور بچے گھر پہ موجُود نہ تھے۔ سرفراز اکیلا چارپائی پہ لیٹا لالٹین کی روشنی میں اَپنی ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ اعجاز کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا۔

"لالہ، بی بی بیاسی گئی ہے۔"

"کیوں؟ کِس کے ساتھ گئی ہے؟"

"چاچے کو گولی لگ گئی ہے۔" سرفراز ہڑبڑا کر بولا۔

"گولی لگ گئی ہے؟ کیسے؟"

"پتا نہیں، سائیں جلّا آیا تھا۔ بی بی اُس کے ساتھ چلی گئی ہے۔"

"سائیں اَور کیا کہتا تھا؟"

"کچُھ نہیں، کہتا تھا چاچا گولی سے زخمی ہو گیا ہے۔ بی بی اُس کے ساتھ چلی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"ہاں ہاں، چلی گئی ہے، مگر کیا کہہ کر گئی ہے؟"

"کہتی تھی روٹی پکی ہُوئی ہے۔"

"روٹی کو چھوڑ یار،" اعجاز کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ "بی بی چلی گئی ہے، روٹی پکی ہُوئی ہے، ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے۔ کوئی کام کی بات بھی بتا۔"

"مجھے کہہ کر گئی ہے لالے کے ساتھ آجانا۔"

"تُو روٹی کھا چُکا ہے؟"

"نہیں۔"

"چلو آؤ۔"

دونوں جلد جلد کھانا کھا رہے تھے کہ پڑوس سے رحمت چوہان آگیا۔ "دائی اِدھر ہی بیٹھی تھی جب چک بیاسی سے بندہ آیا۔" اُس نے بتایا۔ "دائی سے اِتنا ہی پتا مِلا کہ چوہدری احمد کو زخم آگیا ہے۔ کوئی اَور خبر پہنچی؟"

اعجاز کے مُنہ میں نوالا بھرا تھا۔ "اونہوں" اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری مریم نے کہا کہ ساتھ چلی جاتی ہے۔ مگر سکینہ نے منع کر دیا، کہنے لگی کوئی ضرورت نہیں۔ سائیں ٹانگہ کروا کے لایا تھا۔ اُسی پر ہم نے سوار کروا کے بھیج دیا۔ فِکر والی بات ہے۔ اجاز، کوئی دُشمنی وُشمنی تو نہیں تھی؟"

"نہیں، چاچا اَپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ ہمیں کسی بات کی خبر نہیں۔ مَیں ابھی باہر سے آیا ہُوں۔ بس یہ دو ٹکڑے کھا کے جارہے ہیں۔"

اعجاز نے گھر کے تالے کی چابی رحمت کے حوالے کی، سرفراز کو بائیسکل کے پیچھے بٹھایا اَور دونوں بھائی گھر سے روانہ ہُوئے۔ چاند اَپنی پُوری گولائی کو پہنچنے کے بعد اب ہلکا ہونا شُروع ہو چُکا تھا اَور اُس کی روشنی میں کلکھن کی تہہ شامل ہو گئی تھی۔ سڑک پر گڑھوں سے بچتا بچاتا ہُوا اعجاز تیز تیز سائیکل چلا رہا تھا۔

"لالہ! مَیں نے کل کا کام ختم نہیں کیا۔" سرفراز نے کہا۔

"کیوں؟"

"ابھی شُروع بھی نہیں کیا تھا کہ سائیں جلّا آگیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بعد میں کیوں نہیں کیا؟"

"میرا دِل نہیں کیا" سرفراز نے جواب دیا۔

"چلو" کچھ دیر کے بعد اعجاز نے کہا، "کل کی چھٹی کر لینا۔" اُس کی سانس پھول گئی تھی۔

"لالہ۔۔۔؟"

"ہاں۔"

"بی بی رو رہی تھی۔"

"تو کیا وہ خبر سُن کر ہنسنے لگتی؟"

سرفراز پھر سارا رستہ چُپ رہا۔

جب وہ گھر پہنچے تو دروازہ اَندر سے بند تھا۔ کھٹکھٹانے پر سائیں جلّے نے کھولا۔ اَندر اعجاز کی توقع کے خلاف صِرف گھر کے افراد بیٹھے تھے، نہ پاس پڑوس کا نہ کوئی گاؤں کا دُوسرا آدمی دِکھائی دیا۔ ایک چارپائی پر سکینہ اَور اُس کی ماں بیٹھے تھے۔ ایک بچّہ سکینہ کی چھاتی سے لگا تھا، دُوسرا ماسی کی گود میں تھا۔ عباس اَور جمیلہ دُوسری چارپائی پر بیٹھے تھے۔ سرفراز جا کر اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ نواڑ کے پلنگ پر چاچا احمد ٹیک لگائے بیٹھا باتیں کر رہا تھا، جیسے بھلا چنگا ہو۔ صِرف اِس کی داہنی ٹانگ ننگی تھی جس کی پنڈلی کے گِرد چادر سے پھاڑی ہُوئی پٹیاں بندھی تھیں۔ پٹیوں پر ایک جگہ خُون کا بڑا سا دھبہ تھا۔ اعجاز نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ گھر کے لوگوں کے علاوہ اُس نے صِرف سائیں جلّا دیکھا تھا جو باہر چارپائی پہ لیٹا حُقّہ گڑگڑا رہا تھا۔ سائیں جلّے کی زندگی کے بارے میں کسی کو زیادہ عِلم نہ تھا۔ وہ بچپن میں چاچے احمد کے باپ کے گھر کہیں سے آگیا تھا اَور وہیں رہنے لگا تھا۔ سال کا زیادہ عرصہ وہ مختلف مزاروں پر چکّر لگاتا رہتا تھا۔ جب اکتا جاتا تو کچھ دیر کے لِئے چاچے کے پاس واپس آجاتا تھا۔ کبھی اِس کا جی چاہے تو کوئی کام کر دیتا تھا، ورنہ کھاتا پیتا اَور سوتا رہتا تھا۔ چاچے کے تینوں بچّے اُس نے ہاتھوں میں کِھلائے تھے۔

"حرام کے نوٹے کو کروڑ دفعہ سمجھایا کہ کسی کو خبر نہ ہونے دینا" چاچا احمد گرج کر بول، "اِس مائیا پاغل نے مائیا دائی کے آگے سب کچھ بک دیا۔ اب بندے بندے کو خبر ہو گئی ہوگی۔ ہیں اجاز؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں چاچا، صِرف رحمت کو پتا چلا ہے۔" اعجاز نے کہا۔

"وہ مائیا چہان تو ڈھنڈورا ہے۔ اُس کے کان میں کوئی بات پڑنی چاہیے، پھر جدھر حُقّہ تازہ دیکھتا ہے اُدھر خبر سُنانے بیٹھ جاتا ہے اَور سارا تما کُو پھُوک کے اُٹھتا ہے۔"

"چل کوئی بات نہیں،" ماسی بولی، "کوئی بہانہ بنا دیں گے۔ اُس وقت کوئی اَور بندہ جو نہیں تھا۔"

"مگر بات کیا ہے؟ چھُپانے کی کیا ضرورت ہے؟" اعجاز نے پُوچھا۔ "گولیاں کیسے چل گئیں؟"

"بات کوئی نہیں اجاز،" چاچے نے پنڈلی کے دونوں جانب اُنگلی سے اشارہ کیا، "اِدھر سے آئی، اُدھر سے نِکل گئی۔ کچھ ماس ادھڑ گیا ہے، بس۔ نقصان نہیں ہُوا۔"

"مگر کِس نے چلائی گولی۔" اعجاز نے چیں بجبیں ہو کر پُوچھا۔ "کیوں چلائی؟"

پیشتر اِس کے کہ چاچا جواب دیتا، سائیں جلّا کمرے میں داخل ہُوا۔ "احمدو، فقیر کی بات کو رد نہ کر، پٹی کروا لے۔"

"ٹھہر جا فراڈیے،" چاچا چیخ کر بولا، "ادھر آ تیری فقیری نکالوں۔"

سائیں نے اِس کی بات گویا سنی ہی نہیں۔ "برکتے!" وہ ماسی سے بولا۔ "ریشم کا ایک ٹکڑا لے کے آ۔۔۔۔"

ماسی اُٹھ کر دُوسرے کمرے میں گئی اَور ایک دو پھٹے ہُوئے کپڑے اُٹھا لائی۔ سائیں نے کپڑے ہاتھ میں لے کر دیکھے اَور موڑ دیئے۔ "یہ نقلی کا کام ہے۔ پٹی کے لِئے خالص ریشم چاہیے۔"

ماسی پلٹ کر اَندر گئی اَور اِس بار سات آٹھ گز لمبا، سُرخ ریشم کا تہہ کیا ہُوا کپڑا لِئے واپس آئی۔

"یہ میرے بیاہ کی پگڑی ہے،" چاچا احمد چلایا، "خبردار جو اِسے ہاتھ لگایا۔"

ماسی چاچے کی طرف دیکھنے لگی تو سائیں بولا، "عقلمندے، دو گز پھاڑ کر میرے حوالے کر۔ کل رات کا پٹی لپیٹ کر لیٹا ہُوا ہے۔ زخم خراب ہو گیا تو لات چلی جائے گی، چلنے پھرنے سے بھی رہ جائے گا۔ تجھے لنگڑا کھسم چاہیے؟ چل، جلدی کر۔"

چاچا احمد بھی دِل کے اَندر راضی ہو چُکا تھا، مگر دِکھاوے کے لِئے مزاحمت کر رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ماسی کو پگڑی پھاڑتے دیکھ کر بول'۔ "برکتے' اِسے باندھ کر مَیں تجھے بیاہنے گیا تھا' بے مُراد' تیری آنکھ میں پگ کی شرم بھی نہیں رہی؟"

"جان جارہی ہے تو پگ کی کیا قیمت ہے؟" ماسی نے کہا۔

"جان کا کیا ہے بے عقلیئے' آج گئی کل دُوسرا دِن۔ یہ پگ مَیں نے عباس کے واسطے رکھی ہُوئی تھی۔"

"عباس کے واسطے اللہ اَور دے دے گا۔"

"اور کدھر سے لائے گی؟ یہ ہندستان کا ریشم ہے۔ میں امبرسر سے کھُنے کی دُکان سے خرید کر لایا تھا۔ برکتے تجھے یاد ہے پہلی رات کو مَیں نے پگ کھول کر تمہارے۔۔۔"

"چل چل اب چُپ کر۔" ماسی تیزی سے اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ جھینپ کے مارے اِس کا مُنہ سُرخ ہو گیا تھا۔ "آگے پیچھے کی باتیں کرتا جاتا ہے۔ تیری تو عقل ماری گئی ہے۔" اُس نے کپڑا سائیں کے حوالے کر دیا۔

"چاچا" اعجاز تسلی دیتے ہُوئے بولا۔ "بات ٹھیک ہی ہے۔ خالی پٹی لپیٹنے سے تو زخم نہیں بھرتا۔ خُون بند کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی احتیاط لازی ہے کہ ورم نہ پڑ جائے۔ پگ تو پھر بھی آجائے گی۔"

"تو بھی اِن کے ساتھ مِل گیا ہے اجاز؟ جان آنی جانی ہوتی ہے پُتر' ہائے' یہ پگ مَیں نے عباس کے لِئے سنبھالی ہُوئی تھی۔"

"چل چاچا' عباس ذرا چھوٹی پگ باندھ لے گا" اعجاز ہنس کر بولا۔

"نہ حکیم کو بلانے دیتا ہے نہ نائی کو" ماسی اعجاز سے مخاطب ہو کر بولی "بیٹھا بیٹھا ہائے ہائے کر رہا ہے۔ ساری رات اَور سارا دِن آنکھوں میں گزُر گیا ہے۔ اب مَیں کیا کروں؟"

"چلو اب پٹی کر دیتے ہیں۔" اعجاز نے اُس سے کہا' "اللہ مدد کرے گا۔"

سائیں نے چُولہے سے ایک جلتی ہُوئی لکڑی اُٹھائی اَور ریشم کے چیتھڑے کو آگ دِکھا دی۔ کپڑ دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مُٹھی بھر راکھ میں تبدیل ہو گیا۔ سائیں جلّے نے آگے بڑھ کر پٹی کھولنی شرُوع کر دی۔ چاچے نے اُسے روکنے کی کوشش کی تو سائیں نے سختی سے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ پٹی اُتری تو گولی کے زخم کا سُوراخ صاف نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرہا تھا۔ سکینہ کے منہ سے "ہائے" نکلا۔ ماسی نے ایک ہوکا بھرا۔ کالی پنڈلی میں کٹے پھٹے سُرخ گوشت پہ کچھ جما ہُوا اور کچھ رستا ہُوا خُون چمک رہا تھا۔

"ادھر آ" سائیں جلّے نے عباس کو پاس بلُایا۔ پھر وہ جمیلہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "چل تُو پرے مُنہ کر کے لیٹ جا۔"

عباس آہستہ آہستہ چلتا ہُوا سائیں کے قریب پہنچا تو سائیں نے سامنے سے عباس کا تہمد اُٹھا دیا۔ "مُوت" سائیں نے حکم دیا۔

"عباس نے سَر جُھکا لیا اور سائیں کے ہاتھ سے تہمد کا پلو چھُڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اِسے چھوڑ" سائیں نے تہمد مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ "اُس کو پکڑ، اُس کو، میرا مُنہ کیا دیکھتا ہے۔ پکڑ اُس کو، اُٹھا آگے سے، اَیشاباشے، اَیسے لے لے۔۔۔ اب دھار سیدھی موری پہ مار، زمین پر نہ گرے، چل۔"

عباس سَر نیہوڑائے، اَپنے عضو کو پکڑے بے حرکت کھڑا رہا۔

"زور لگا" سائیں بولا۔

عباس میں پھر بھی کوئی حرکت پیدا نہ ہُوئی۔

"میری بات سنتا ہے کہ نہیں" سائیں نے اپنا ایک مرلے جتنا چوڑا ہاتھ اُٹھا کر پیچھے سے عباس کی گردن دبوچ لی۔ "کر۔ کر۔۔۔ زور لگا۔"

عباس کے چہرے سے کرب ٹپک رہا تھا۔ اِس کے مُنہ سے بھنچی ہُوئی آواز نکلی۔ "نہیں نِکلتا۔"

جمیلہ دیوار کی طرف مُنہ کئے لیٹی کھی کھی کر کے ہنس پڑی۔ سرفراز بھی ہنسنے لگا۔

"نِکلتا کیسے نہیں" سائیں گرجا، "تُو زور لگائے تو نِکلے، چل زور لگا، بھانے خور!"

ساتھ ہی سائیں نے عباس کی گردن پر اَپنی گرفت کس دی۔ عباس کی آنکھیں اُبل پڑیں۔ اُسے کھانسی کا ایک غوطہ لگا تو پیشاب کی ایک مُختصر سی دھار چاچے کی پنڈلی پر گولی کی موری سے ذرا ہٹ کر گری، جِسے نیچے بہ جانے سے بچانے کے لِئے سائیں نے چلو میں بھر کر سُوراخ کے اُوپر قطرہ قطرہ گرا دی۔ چاچے نے مُنہ سے "ہا" کی آواز پیدا کی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلبلا کر پہلو بدلنے کی کوشش کی مگر ماسی اُس کی ران کو قابو میں کیے ہُوئے تھی۔ سائیں نے اُس کا گھٹنہ کھینچ کر پلنگ سے لگا۔ دیا، جس سے پنڈلی کا دُوسری جانب کا سُوراخ عباس کے سامنے آگیا۔ "چل دھار مار،" سائیں نے عباس کی ہمت بڑھائی۔ "مار مار، موری پر مار، موری پر۔"

سائیں کی گرفت نرم ہونے سے عباس کی سانس برابر ہو چلی تھی، مگر اُس کی کھانسی نہ رُکی تھی۔ کھانسی کے دَورے میں اُس کے پیشاب کی دُوسری دھار بر آمد ہُوئی جو پنڈلی کو صاف بچاتی ہُوئی بستر پر گری۔

"ہیہہ بئی مان،" سائیں بولا۔ تیزی سے اُس نے عباس کا عضو اَپنے ہاتھ میں لیا اَور اِس کا رُخ سیدھا کر کے بقیہ دھار کو عین زخم پہ گرایا۔ پھر اُس نے دونوں ہاتھ عباس کے جسم سے اُٹھا لیے۔ "چل اب دفا ہو جا۔"

عباس نے جاتے جاتے جمیلہ کی کمر پہ ایک لات جمائی، سرفراز کے سَر پہ زوردار دھپ لگایا اَور صحن میں نِکل گیا۔

"ابا۔" جمیلہ لات کھا کر چیخی۔

چاچا احمد پیشاب کے تیزاب سے تڑپ کر ساکن ہو چُکا تھا۔ سائیں نے ریشم کی راکھ مُٹھی میں بھری اَور اُسے پہلے پنڈلی کی ایک جانب، پھر دُوسری جانب دونوں سُوراخوں پر مَل دیا۔ جب وہ اُنگلی کی مدد سے راکھ، پیشاب اَور خُون کے لیپ کو زخم میں بھر رہا تھا تو چاچے کے مُنہ سے گالی نِکلی اَور وہ ذرا سا اُچھلا۔ مگر اب اُس کا دم ختم ہو چُکا تھا۔ ماسی اَور سائیں نے ایک تازہ چادر پھاڑ کر ٹانگ پہ کَس کر پٹی باندھ دی۔ چاچا "ہائے ظالمو،" کہتا ہُوا مُنہ موڑ کر پہلو کے بل لیٹ گیا۔

"کُچھ مُنہ سے بولو کہ یہ حادثہ کیسے ہُوا؟" اعجاز نے پُوچھا۔

ماسی اَور سکینہ ایک دُوسرے کی طرف دیکھ کر خاموش ہو رہیں۔ سائیں جلّاب فارغ ہو کر صحن میں اَپنی چارپائی پہ بیٹھا بجھتے ہُوئے حُقے کو سلگانے کی خاطر اِس کی نلی کو مُنہ میں لے کر لمبے لمبے سانس کھینچ رہا تھا اعجاز مایُوس ہو کر باہر سائیں کے پاس جا بیٹھا۔

"سائیں،" اعجاز نے کہا، "تُو ہی کُچھ بتا؟"

"کیا بتاؤں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چاچے کو گولی کیسے لگی؟"

"پُلس نے ماری ہے۔"

"کیوں؟ کیا معاملہ ہُوا ہے؟"

"مامِلہ کیا ہو گا۔ سامان اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا، پُلس سے ٹاکرا ہو گیا۔"

"کیسا سامان؟ کہاں جا رہا تھا؟"

"تجھے نہیں پتا؟"

اعجاز نے سر ہلا کر لاعلمی ظاہر کی۔

"روز کی بات ہے، کوئی آج کی تو نہیں" سائیں بولا "پُلس کے ساتھ بھی مامِلہ ٹھیک ہے، اپنا حصہ نکال لیتے ہیں، ساروں کا کام چلتا رہتا ہے۔ کل یہ کوئی نئے رنگروٹ تھے، گولی چلا دی۔"

"پھر؟"

"پھر کیا، احمدو چھُپ چھُپا کر دَوڑ آیا۔"

"زَخم کو لے کر؟" اعجاز نے حیرت سے پُوچھا۔

"اَور کیا؟ بُڈھے میں ابھی بڑی جان ہے۔"

اعجاز خاموش بیٹھا سائیں جلّے کے حُقے کی گُڑ گُڑ سنتا رہا۔ پھر بولا، "سائیں! چاچا سمگلروں کے ساتھ ملا ہُوا ہے؟"

"کوئی بھی نام دے لے بچّے، کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق تو پڑتا ہے سائیں،" اعجاز نے کہا۔

"کیوں، ٹبّر نے روٹی نہیں کھانی؟ باراں چَوداں کِلّے برانی زمین سے کیا مِلتا ہے۔ نہر لگتی تھی تو روٹی چل جاتی تھی۔ پانی بند ہوا تو زمین پیٹ بھی نہیں بھرتی۔ یہ پلنگ دیکھا ہے جس پر احمدو پڑا ہے؟ پُورا ڈیڑھ سَو روپیا لگا ہے اِس پر۔ یہ پیسہ کہاں سے آیا ہے؟ دو چھوٹے جی ہیں۔ دو سال میں لڑکی بیاہنے والی ہو جائے گی۔ تُو اَپنے گھر میں سُکھ سے بیٹھا ہے، بیٹھا رہ۔ دُوسروں کی جیسی گزُرتی ہے یا وہ جانیں یا اُن کا خُدا جانے۔ توبہ کر توبہ۔"

اعجاز دِل میں شرمندہ سا ہو کر چُپ ہو رہا۔ سائیں نے حُقے کی نلی اُس کی طرف بڑھا دی۔ اعجاز نے ایک کش کھینچا تو اُسے اچھو لگ گیا۔ "کڑوا تمباکو ہے۔" وہ کھانستے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہُوئے بولا۔ جب اُس کی سانس برابر ہُوئی تو اِس نے پُوچھا "سائیں، کِس قِسم کا مال اِدھر سے اُدھر جاتا ہے؟"

"گُڑ،" سائیں بولا۔

"گُڑ؟"

"ہاں، اُدھر سے کھانڈ آتی ہے۔ ہندستان میں کارخانے ہیں۔"

"پھر گُڑ کیوں اُدھر جاتا ہے؟"

"واہ باوَ اجاز، تُو ماسٹر کا ماسٹر ہی رہا۔ بئ اُن کا کماد تو سیدھا کارخانوں میں چلا جاتا ہے، پیسے نقد جیب میں آجاتے ہیں۔ گُڑ کون بناتا ہے مگر گُڑ کے چاول اَور شکر کی چُوری کھانے والے اُدھر بیٹھے ہیں۔ اُن کے لِئے گُڑ اِدھر سے جاتا ہے۔"

"تیری بات تو ٹھیک ہے۔" اعجاز نے ہنس کر کہا۔ "اور کیا کچھ جاتا ہے؟"

"دانے۔"

"دانے؟"

"گندم بئ گندم۔ اَور سونا۔"

"سونا؟"

"ہاں۔ عرب سے حاجی سونا لے کر نہیں آتے؟ ہندستان میں بڑا مول مِلتا ہے۔"

"اُدھر سے کیا آتا ہے؟"

"لاچی۔ گرم مسالہ۔ کھانڈ۔ لٹھا۔"

سائیں نے حُقے کی نلی دوبارہ اعجاز کی طرف بڑھائی تو اُس نے موڑ دی۔ اعجاز نے کبھی کبھار سگریٹ پینے شُروع کر رکھے تھے۔ اُس نے جیب سے ڈبیا نکال کر سگریٹ سلگا لیا۔ سائیں جلّا لالچی نگاہوں سے سگریٹ کو دیکھتا رہا، پِھر بولا، "اِس کا تما کُو کڑوا ہے؟"

"پی کر دیکھ لو،" اعجاز نے جلتا ہُوا سگریٹ سائیں کو دیا۔ سائیں نے مٹھی کے ایک سِرے میں سگریٹ دبایا اَور دُوسری جانب سے لمبا سانس کھینچا، جیسے حُقّہ پی رہا ہو۔ دو کش لے کر اُس نے سگریٹ واپس کر دیا۔ "مزا نہیں آیا؟" اعجاز نے پُوچھا۔

سائیں نے فیصلہ کن اَنداز میں سَر کو نفی میں ہلایا۔ "جب تک آواز نہ نِکلے، مزا کیا آئے؟" وہ حُقے کی نلی کو مٹھی میں دبوچ کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعجاز نے اپنی عمر حُقے کے آس پاس گزاری تھی، مگر اِس بات کا فہم اُسے پہلی بار ہُوا کہ سنسان راتوں میں کتّوں کے بھونکنے اَور مُرلی کی آواز کی نانِند حُقے کی گُڑ گُڑ میں بھی قدرتی آوازوں کا سا طمانیت کا احساس تھا۔ سائیں جلے نے سینے کے زور سے کش پہ کش لگا کر حُقّہ چلا لیا تھا۔

"سائیں،" اعجاز نے پُوچھا۔ "سامان کِس ذریعے سے اِدھر اُدھر آتا جاتا ہے؟"

سائیں جلّے نے اَیسے اعجاز کو دیکھا جیسے اُس کی کم علمی پر حیرت زدہ ہو۔

"ڈنگروں پر،" پھر اِس نے مختصراً کہا۔

"بلدوں پر؟"

سائیں جلّے نے دوبارہ حیرت سے اُسے دیکھا، پھر حُقے کا ایک لمبا کش لیا، گویا اعجاز کی خامیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر رہا ہو۔ "زمین دار ہو کر تجھے بلدوں کا علم نہیں؟" وہ بولا۔ "بلد کی گِردن اَور ٹانگوں میں زور ہوتا ہے، کمر کمزور ہوتی ہے۔ بوجھ کو کھینچ لیتا ہے، اُٹھا نہیں سکتا۔ بلد جاتے ہیں کبھی کبھی۔"

"کیا لے کر؟"

"سُوت، ہندستان میں لٹھے کے کارخانے ہیں۔"

"اَور گندم؟"

"اونٹوں پر۔ گُڑ شکر گھوڑوں پر۔ سونا کبھی سُوت میں کبھی گُڑ میں، جہاں جگہ ملی چُھپا دیا۔"

"بندے بھی ساتھ جاتے ہیں؟"

سائیں نے نفی میں سر ہلایا۔ "ڈنگروں کو ہانک دیتے ہیں۔ اُدھر سے وہ پکڑ لیتے ہیں۔"

"پھر ڈنگر کہاں جاتے ہیں؟"

"اُدھر سے مال لاد کر اِدھر کو ہانک دیتے ہیں۔"

"حساب کون رکھتا ہے؟"

"کیسا حساب؟"

"ناپ تول کا، قیمت کا،" اعجاز نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک ایک پیسے کا حساب ہوتا ہے۔ پیسے دینے دِلانے ہوں تو پھر بندے آتے ہیں۔ لاہور سے کاریں آجاتی ہیں، اُدھر امبرسر سے آتی ہیں۔ لین دین پر کبھی جھگڑا نہیں ہُوا، یہ شریفوں کا کاروبار ہے۔ کل رات کو تو قسمت خراب تھی۔ جو لاہور سے کاروں پر آئے نئے اَور اوچھے لوگ تھے۔ پیسے ہاتھ میں آئے تو ناچنے اَور ٹھٹھا کرنے لگے۔ اُدھر پُلس والے بھی رنگروٹ تھے۔ ایک بار للکارا اَور گولی چلا دی۔ کل اُدھر سے بندے آرہے ہیں، مٹھائی لے کر، دیکھنا کیسے شریف لوگ ہیں۔"

"یہاں آرہے ہیں؟" اعجاز نے چوکنا ہو کر پُوچھا۔

"اُدھر کھیت میں ملاقات رکھی ہے۔"

کیا کرنے آرہے ہیں؟"

"اُن کو پچھلے پیسے پہنچ گئے ہیں، خُوشی کرنے آرہے ہیں، یہ رواج ہے۔"

"چاچا تو زخمی ہے،" اعجاز نے کہا، "کیسے جائے گا؟"

"مرتا مرتا بھی جائے گا۔ دیکھ لینا۔ یہ عزت بزتی کا سوال ہے۔ تُو بھی چلا چلنا۔"

اعجاز کچھ دیر تک خاموش بیٹھا سائیں کی پیشکش پر غور کرتا رہا۔ سائیں کے حُلیے سے لگ رہا تھا کہ اعجاز کے بچگانہ سوالوں سے اُکتا چُکا ہے۔

"سائیں،" پھر اعجاز نے پُوچھا، "کبھی تُو بھی اُدھر گیا ہے؟"

یہ سُن کر سائیں جلّے کی دِلچسپی لَوٹ آئی۔ "جاتا رہتا ہُوں۔"

"مال وغیرہ کے سلسلے میں؟"

"اونہوں، اکیلا جی ہُوں، کیا ضرورت ہے کہ اِس کاروبار میں پڑوں۔ مزاروں پر جاتا ہُوں۔ فیروزپور میں میرے خاص مُرشد ہیں۔"

"تجھے کبھی پولیس نے نہیں روکا؟"

"پہلے پہلے پکڑتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے سات دِن تک بند رکھا۔ سوال جواب کرتے رہے۔ کہتے تھے مَیں جسوس ہُوں۔"

"پھر کیا ہُوا؟"

"ہونا کیا تھا۔ مَیں نے کہا بھائی میں تو پھیرے کا فقیر ہُوں۔ جدھر پھیرے کا حکم آگیا، اُدھر نِکل پڑا۔ کہتے ہو تو اِدھر ہی بیٹھ جاتا ہُوں۔ ایک وقت کی روٹی دیتے رہو، باقی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اللہ اللہ خیر سلا۔ اَندر اَندر سے اُنہوں نے فیروزپور میں میرے مُرشدوں سے پتا کیا، پھر کہنے لگے جا چلا جا۔ اب مَیں اَیلی اَیلی کرتا ہُوا جاتا ہُوں۔ مُجھے سب جانتے ہیَں۔ کبھی کبھی کوئی رنگروٹ افسر آتا ہے تو پکڑ کر بٹھا لیتا ہے۔ پھر دُوسرے گواہی دیتے ہیَں تو چھوڑ دیتا ہے۔"

"سائیں،" اعجاز نے پُوچھا۔ "اگر وہ تُجھے نہ چھوڑتے تو تُو اُدھر ہی رہ جاتا؟"

"ناں جی ناں، سارے سِکھ تھے نامراد، تماکُو کو حرام جانتے تھے۔ روٹی کھا کھا کر میرا ہاضمہ خراب ہو گیا تھا۔ جان آدھی رہ گئی تھی۔ حُقے سے میری روٹی نیچے اُترتی ہے۔"

جاڑے عروج پر تھے۔ صحن میں دِن کے وقت تین چارپائیاں پڑی رہتی تھیں جن پر گھر کے لوگ اَور آنے جانے والے دِن بھر بیٹھے سردیوں کی دُھوپ کا مزا لیتے تھے۔ گیہوں، چنے اَور دُوسری دالوں کی فصلیں بوئی جا چکی تھیں۔ مرد بیٹھے حُقّہ پیتے اَور عورتیں ہانڈی کے لِئے سبزیاں کاٹتی رہتی تھیں۔ سائیں جلّے کے قیام کے دَوران ایک فالتو چارپائی اَندر سے نِکل آتی تھی جِس پہ اُس کی گدڑی کا قبضہ رہتا تھا۔ یہ چارپائی دِن رات صحن میں بچھی رہتی تھی، باقی کی رات کے وقت دیواروں کے ساتھ لگا کر کھڑی کر دی جاتی تھیں اَور بارش کی آمد متوقع ہو تو اُٹھا کر صحن والے کچے کمرے میں رکھ دی جاتی تھیں۔ سائیں کے پاس کمبل لپیٹے بیٹھے بیٹھے اعجاز کو بھیگتی ہُوئی سرد رات میں تھکاوٹ محسُوس ہونے لگی۔ مگر اُس کا جی گھر کے اندر جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔ وہ اُٹھا اَور ایک دُوسری چارپائی پر کمبل آدھا نیچے اَور آدھا اُوپر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ نیند اُس کے سَر کو چڑھنے لگی۔ سونے سے پہلے، نیند کی حد پر اُس کے سامنے دو منظر نمودار ہُوئے۔ ایک کنیز کی صُورت تھی، دُوسرا جہانگیر کا چہرہ تھا، جو کہہ رہا تھا، "اِس زمین پہ ہمارا حق ہے نہ کہ کیمبل پُور کے کسی حوالدار کا۔ تُمہارے چاچے کی زمین بارانی ہو گئی ہے۔۔۔" رات کے کِسی وقت اسے محسُوس ہُوا کہ کوئی اُس کے سَر تلے تکیہ رکھ رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں نہ کھولیں اَور نہ چہرہ دیکھا، مگر ہاتھوں کے لمس سے اُسے معلوم ہو گیا کہ یہ سکینہ تھی۔ پھر سکینہ نے اُس کے جِسم کو بھاری لحاف سے ڈھانپ دیا۔ وہ سردی سے سکڑا پڑا تھا۔ لحاف کے نیچے اُس کے بدن کو بے پناہ آرام محسُوس ہُوا۔

اعجاز دِن چڑھے تک سویا رہا، حتیٰ کہ دُھوپ آدھے صحن میں پھیل گئی۔ دِن بھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ چاچے احمد کو رات کی مہم پہ جانے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر سائیں جلّے کے بقول چاچا ضِد کا پکّا نِکلا۔

"ٹانگ جائے تو جائے، بات نہ جائے، اجاز۔ یہ کام قول پر چلتا ہے۔ ساری پگ کی بات ہے۔"

"پگ پگ کرتے رہتے ہو چاچا۔ تمہارا خُون پہلے ہی نِکل گیا ہے۔ اب جان بھی دو گے؟"

"ہائے نئے زمانے کے لڑکو، تمُہیں کِس بات کی خبر ہے۔ نہ پگ کی عزت نہ جان کی۔"

"چاچا تیری جان کی عزت ہی تو کر رہا ہُوں۔" اعجاز نے کہا۔

"اسی بات کا تو تجھے پتا نہیں بچّا" چاچا بولا، "جان کی عزت اسے بچا کر رکھنے میں نہیں، تلی پر رکھنے میں ہوتی ہے۔"

اعجاز آج تک چاچے کو اَپنی ماسی کے خاوند اَور بیوی کے باپ کی حیثیت سے، اَور ایک معمولی زمیندار کی شکل میں پہچانتا آیا تھا۔ اِس سے زیادہ جاننے کی اِس نے کبھی کوشش ہی نہ کی تھی۔ آج اُسے چوہدری احمد خان راٹھور کی نئی شکل دِکھائی دی تھی۔ اِس سے پہلے صِرف ایک بار اُسے اِس شخص کے مزاج کا ہلکا سا عندیہ مِلا تھا، جب چند برس پیشتر اعجاز کے باپ کی مَوت پر روتی ہُوئی ماسی کو تسلی دیتے ہُوئے چاچے نے کہا تھا۔ "چل اب چُپ کر جا۔ بچارے کا سینہ انگریزوں کی پہلی لڑائی میں ہی بیٹھ گیا تھا، پھر بھی اتنی لمبی عُمر گزاری، ہاتھ پیروں کا نہیں تو دِل کا بہادر آدمی تھا، رونے کی کیا بات ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ جان تو آنی جانی ہوتی ہے۔" اَور اعجاز دِل میں کچھ حیران ہوا تھا کہ چاچا غمزدہ ہونے کی بجائے کیسی بات کر رہا ہے۔ یا پھر جب یعقوب اعوان نے سکینہ کا رشتہ مانگا تھا تو چاچا بولا تھا، "تو دُوسری کوم کا آدمی ہے یکوُب، پر تیرا لڑکا بہادر ہے۔ نُورپُور کی کوڈی میں جِس دِن اُس نے جیجے ترکھان کا دم توڑا تھا میرے دِل کو وہ اُسی دِن لگ گیا تھا۔ جا، میری رضامندی ہے۔" پھر چاچا دوبارہ اَپنے رشتہ دار کے رُوپ کو لَوٹ گیا تھا۔ اب اتنے عرصے کے بعد اعجاز کو چاچے کی دُوسری زندگی کی خبر ملی تھی۔ اُسی وقت اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات کو رُکے گا اَور اِن لوگوں کی "خُوشی" میں بھی شریک ہو گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب صورت حال اچانک اُلٹ ہو گئی۔ اب چاچا احمد اعجاز کو ساتھ جانے سے منع کرنے لگا۔ "یہ کام خطرے ناک ہے، اجاز۔ اَپنی ماسی کے پاس رہ، ہم رات کی رات آجائیں گے۔"

"چاچا، میں تو دَوڑ لگا کر بھی آجاؤں گا، تُم چل بھی نہیں سکتے۔ خطرناک تیرے لِئے ہے یا میرے لِئے؟"

"نہ دوڑنے کی بات ہے نہ بھاگنے کی،" چاچا بولا، "دِل کی بات ہے، تجھے اِن چیزوں کی مشق نہیں۔ مشق سے دِل مضبوط ہوتا ہے۔ دِل چھوٹ جائے تو پیر بھی سیدھا نہیں پڑتا۔"

"فِکر نہ کر چاچا۔ میرا دِل نہیں چھوٹتا۔" اعجاز نے کہا۔

اب دو مسئلے زیرِ بحث آئے۔ پہلا یہ کہ چاچا وہاں کیسے جائے؟ ڈنگر کی سواری کرے تو بَیل ڈکرائے گا، گھوڑا ہنہنائے گا، گدھا ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے لگے گا۔ اعجاز نے بائیسکل کی پیشکش کی تو چاچا اَور سائیں ہنسنے لگے جیسے مذاق کی بات ہو۔ آخر سائیں جلّے کی "گھوڑی" پہ فیصلہ ہُوا۔ دُوسرا مسئلہ عباس کا تھا۔ وہ ساتھ جانے پہ مصر تھا۔ اَور وہ جاتا تو پھر سرفراز کو کون روکتا۔

"باسا تو پڑھائی وڑھائی کے لائق نہیں۔" چاچے نے کہا۔ "مَیں کہتا ہُوں اِس کی مشق ہو جائے تو اَپنی روٹی تو کمالے گا۔ مگر سرفرازا طالب عِلم ہے، ایک دِن حیثیت والا ہو جائے گا۔ کیوں اِس کو خطرے ناک کاموں میں ڈالتے ہو۔"

سائیں جلّا اُس وقت مدد کو آیا۔ "کوئی مال تو آنا جانا ہے نہیں احمدو، خُوشی کا مَوکا ہے، پیچھے پیچھے چلے آئیں گے، زُبان بند رکھیں گے، اللہ مدد کرے گا۔"

"تیرے اختیار میں ہو تو اِنہیں مزاروں پر لے جائے اَور بھنگ پلا پلا کر فقیر بنا دے،" چاچے نے کہا۔ "تیری ہدائت اللہ کسی غریب کو بھی نہ دے۔"

اعجاز کے دِل میں بھی بچّے کے بارے میں وسوسہ تھا۔ مگر اُس نے آج تک سرفراز کی کِسی بڑی خواہش کو رد نہ کیا تھا۔ وہ چُپ رہا۔

"اِتنے بڑے بڑے،" عباس باہیں پھَیلا کر سرفراز کو بتا رہا تھا، "جلیب ہوتے ہیں۔ ایک آدمی پُورا جلیب نہیں کھا سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ چاچا احمد سائیں جلّے کی چوڑی پُشت پہ سوار تھا۔ اُس کے بازو سائیں کی موٹی گردن، اور ٹانگیں اُس کی کمر کے گرد لپٹی تھیں۔ اعجاز ہلکے پاؤں ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ دو قدم پیچھے عباس اور سرفراز پلّوں کی مانند تعاقب کر رہے تھے۔ سائیں نے اُن سے کہہ رکھا تھا کہ پیروں کی آواز نہ آنے پائے۔ چُنانچہ اُن کے چلنے کا انداز کچھ یُوں تھا کہ ٹانگیں ضرورت سے زیادہ اُوپر اُٹھاتے ہُوئے، جس سے ان کے گھٹنے تقریباً ناف کی سطح تک پہنچتے تھے، اپنے تئیں پھُونک پھُونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ صِرف سائیں جلّا معمول کے مطابق بھاری چال سے، چاچے کو پیٹھ پہ اُٹھائے آگے بڑھ رہا تھا۔ ہر آدھے فرلانگ پر وہ سانس لینے کو رُک جاتا۔ "میری گردن کا کوّا نہ دبا احمدو، میرا دم رُکتا ہے۔" وہ سرگوشی میں کہتا، "بوجھ کو میرے مونڈھوں پر رکھ، اور نیچے نیچے کو نہ لٹکتا جا، جیسے ٹٹی کرنے بیٹھا ہُوا ہے۔ رانیں دبا کے رکھ۔ تُو سواری کا طریقہ بھُول گیا ہے؟"

"اپنا وقت یاد کر سائیں!" چاچے نے جواب دیا، "جب ٹھیکری والے مزار کے فقیروں نے مار مار کے تیرا پشاب نکال دیا تھا۔ مَیں چار میل تجھے اُٹھا کر لایا تھا اور میرے مُنہ سے ایک کلمہ نہیں نِکلا تھا۔ آج میرے زخم آگیا ہے تو تُو باتیں کرتا ہے؟"

اعجاز کو عِلم نہ تھا کہ چاچا کب کی بات کرتا تھا، مگر آج سائیں جلّا پینسٹھ سال کی عُمر سے کم کیا ہی ہوگا۔ وہ اُس بڈھے بدن کی طاقت پہ حیرت زدہ تھا۔ ایک آدھ بار اِس نے سائیں کا بار بٹانے کی پیشکش بھی کی تھی، مگر سائیں نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ "ابھی میرے مونڈھوں میں زور ہے بچّے،" سائیں نے کہا، "مَیں نے اپنی طاقت سنبھال کر رکھی ہے، اِدھر اُدھر ضائع نہیں کی۔"

"مفت کی روٹیاں پھاڑ پھاڑ کر پلا ہُوا ہے۔" چاچا بولا، "سٹھا پٹھا ہے، سٹھا پٹھا۔"

"اب چر چر نہ کر،" سائیں نے جواب دیا۔ "مَیں تیری چالوں کو جانتا ہُوں۔ اُوپر ہو کر بیٹھ، میری گردن کی جان بخشی کر، ناڑوں میں ہوا آنے دے۔"

پانچوں نفوس بدنوں پہ کالے کمبل لپیٹے ہُوئے تھے، یُوں کہ رات کے اندر اُن کی حرکت بھی دِکھائی نہ دیتی تھی۔ بارڈر سے آدھ میل اِدھر پچھیتری مکی کا ایک کھیت کھڑا تھا۔ اُس کے اندر ملاقات کی جگہ مقرر تھی۔ چاچے اور سائیں کی پارٹی کچھ دیر سے وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچی۔ وہ کھیت میں داخل ہو کر اندر تک چلے گئے مگر کسی بشر کے آثار اُنہیں دِکھائی نہ دیئے۔ درمیان میں پہنچ کر وہ رُک گئے۔ اُنہیں وہاں کھڑے ہُوئے ایک مِنٹ گزُر گیا تو اچانک ایک ٹارچ، جس کے شیشے پر کالے رنگ کا کپڑا لپٹا تھا، چمکی اَور اُس کی مدہم روشنی اُن پانچوں پہ پڑی۔ ان سے بمشکل دو گز کے فاصلے پر چار سِکھ مَرد بیٹھے تھے۔ اُن سب کی ڈاڑھیاں منڈی ہُوئی تھیں، گو سروں پہ سِکھوں کی مخصوص پگڑیاں مَوجُود تھیں۔ اُنہوں نے چند پودے اُکھاڑ کر کھیت میں ایک گول سی جگہ صاف کر رکھی تھی اَور پَودوں کو زمین پہ بچھا کر اُن پہ بیٹھے تھے۔ اُنہیں دیکھتے ہی سائیں جلّے نے چاچے کی ٹانگوں کے نیچے سے اَپنی باہیں کھینچ لیں اَور ایک جھٹکے سے اَپنی گِردن کے گِرد چاچے کے بازوؤں کی گانٹھ کھول دی۔ چاچا احمد مٹّی کی بوری کی مانِند زمین پہ آگرا۔ "ہا۔۔۔ بے مراد،" چاچے کے مُنہ سے درد کی ایک چیخ نِکلی جس کی آواز کو وہ دبا گیا۔ اعجاز نے چاچے کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ چاچا ایک ٹانگ پہ اُچھلتا ہُوا سِکھوں کی پارٹی کے پاس جا بیٹھا۔ اُنہوں نے ایک دُوسرے کے شانوں پہ ہاتھ مار کر استقبال کیا۔

"ہم کو تو آج سویرے خبر ملی گُرو!" سِکھ بولا، "بئی مانوں نے پیسے کھا کر تیرے ساتھ یہ کسب کیا؟"

"کوئی رنگروٹ ہوں گے۔" چاچے نے کہا۔ "تیرے ساتھ تو اُن کا ٹاکرا نہیں ہوا؟"

"اونہوں!" سِکھ سَر ہلا کر بولا، "آج تو باڈر شمشان بنا ہُوا ہے۔ سردار اَور مُسلے وارُوپی کر لیٹے ہوں گے۔ کدھر چوٹ آئی؟"

چاچے نے کمبل کا کونا اُٹھا کر ٹانگ ننگی کی۔ "ماس کا زخم ہے، نقصان نہیں ہُوا۔"

"بڑا کرم ہُوا گُرو،" سِکھ نے کہا۔ "رنگروٹوں کے نشانے کا بھی کیا پتا۔ ذرا اُوپر لگ جاتا تو تیرا خزانہ ہی اُڑ جاتا۔"

سب ہنسنے لگے۔

"تیرا خزانہ ابھی چلتا ہے نا۔" سِکھ نے پُوچھا۔

"چلتا کہاں ہے،" سائیں جلّے نے جواب دیا۔ "اب تو بیاسی کی ناریں بھی طعنے دینے لگی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سائیں نے اپنا خزانہ ڈاک خانے میں جمع کرا رکھا ہے۔" چاچا بولا۔ "اِسے کیا پتا خرچ کرنے کا۔"

"سائیں کی تو بڑی بچت ہو گئی ہوگی،" ایک نوجوان سِکھ بولا۔

سب کے اَندر ہنسی کی لہر دَوڑ گئی، جس کی آواز اُنہوں نے اَپنے حلقے سے باہر نہ نِکلنے دی۔ بڑے سِکھ نے پگڑی اُتار کر زمین پر رکھی اَور بالوں میں اُنگلیاں پھیر کر خارش کرنے لگا۔ پگڑی کے نیچے اُس کے بال منڈے ہُوئے تھے۔ پِھر سِکھ نے دوبارہ ٹارچ جلا کر اُس کی روشنی اعجاز اَور دونوں لڑکوں پہ پھینکی اَور آنکھوں پہ زور دے کر پہچاننے کی کوشش کی۔

"بھائی احمد خان، تُو بالکوں کو بھی لے آیا ہے؟"

"ضِد کر کے آگئے ہیں،" چاچے نے کہا۔ "مَیں نے تو کہا کہ میرے زخم کو دیکھو اَور سبق پکڑو، یہ خطرے ناک کام ہے۔ یہ نہ مانے، کہنے لگے ہم جرنیل سنگھ کے جلیب کھائے بغیر نہ رہیں گے۔"

"لا او سندھو،" جرنیل سنگھ نے کہا۔ "تھال آگے کر۔"

نوجوان سِکھ نے عقب سے ایک بڑی سی پرات اُٹھائی اَور درمیان میں لا رکھی۔ پرات کپڑے سے ڈھکی تھی۔ جرنیل سنگھ نے کپڑا اُٹھایا تو سرفراز کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔ عباس کے مُنہ میں پانی آگیا۔ عباس نے جلیب پہلے دیکھ رکھے تھے، مگر سرفراز صِرف حلوائی کی دُکانوں پہ بنی ہُوئی جلیبیوں سے واقف تھا۔ اِتنے بڑے بڑے جلیب جو پُوری پرات کے پیندے کو ڈھکے ہُوئے تھے اُس نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ پرات میں جلیبوں کی اُوپر نیچے کئی تہیں لگی تھیں۔ اُن کے اُوپر مُرغی کے انڈے کے برابر شکر پارے بکھرے تھے۔ اعجاز کے خیال میں چودہ برس پُرانی یاد لَوٹ کے آئی اَور دِل میں ایک میٹھی سی ہُوک اُٹھی۔ کبیر سنگھ والے میں آخری بار اُس نے سِکھوں کی ایک شادی پر اتنے بڑے بڑے جلیب اَور شکر پارے دیکھے تھے۔

"لوجی، ہاتھ اُٹھاؤ، بسم اللہ کرو۔"

سرفراز جرنیل سنگھ کے مُنہ سے بسم اللہ کا لفظ سُن کر حیران ہُوا۔ سائیں جلّے نے سب سے پہلے مٹھائی پہ ہاتھ مارا۔ اِس نے ایک پُورا شکر پارہ مُنہ میں بھرا اَور دونوں ہاتھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اُوپر والا ثابت جلیب اُٹھا لیا۔ شکر پارہ نگلنے سے پہلے ہی وہ جلیب کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھانے لگا۔ سرفراز کا جی چاہ رہا تھا کہ جلیب اُسی طرح ثابت کے ثابت پرات میں رکھے اپنے آتشی رنگوں میں دِھیمے دِھیمے چمکتے رہیں اَور کوئی اُن کو نہ توڑے۔ مگر اب ایک کے بعد ایک جلیب ٹوٹ رہا تھا۔ چاچے نے ایک جلیب کے تین ٹکڑے کئے۔ اِس نے بڑا ٹکڑا اعجاز کو اَور دو چھوٹے عباس اَور سرفراز کو دیئے۔ سرفراز اُسے ہاتھ میں پکڑے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ چاروں طرف سے کڑکڑے جلیب چبانے کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر اُس نے بھی ایک کونہ توڑ کر مُنہ میں ڈالا۔

"یہ تو تیرا اپنا ہے بھائی احمد خان،" جرنیل سنگھ عباس پر ٹارچ کی روشنی پھینکتے ہُوئے بولا۔ "دُوسرے دو کون ہیں؟"

"یہ بھی میرے ہی ہیں،" چاچے نے کہا۔ "یہ میری لڑکی کا آدمی ہے۔ سکُول میں ماسٹر ہے۔" چاچے کو خُوب عِلم تھا کہ اب اعجاز سکُول ماسٹری سے فارغ ہوچُکا ہے مگر وہ دُوسرے لوگوں کو ابھی تک ماسٹر کرکے ہی بتاتا تھا۔ "یہ چھوٹا اِس کا بھائی ہے، سکُول جاتا ہے۔ پڑھائی میں قابل ہے۔"

"ہاں جی، کیوں نہ ہو، بھائی ماسٹر ہے۔ گُرو ترقی دے۔ جلیب کھانے روز روز نہ آجایا کرنا۔ دُنیا میں رہ کر ترقی کرنا۔ ہم تو غرق ہو کر اِس کام میں پڑے ہیں۔ نہ جان کا اِعتماد نہ جہان کا۔ چُھٹکا سا بندہ اُٹھ کر ہم کو بندوق مار دیتا ہے۔ اچھا، سائیں تو سُنا، آج ادھر کیسے آنِکلا؟"

"احمدو کی لات آج نکارہ تھی۔ ساروں نے سمجھایا کہ نہ جاؤ، یہ اڑیل اَپنی ضِد پر کھڑا رہا۔ پیٹھ پر لاد کر لایا ہُوں۔ میرے مونڈھے لٹک گئے ہیں۔"

"بڑے دِن ہو گئے تُو ہماری طرف کے مزار پر دِکھائی نہیں دیتا، کیا قِصّہ ہے؟"

"وہاں روٹی رُوکھی سُوکھی ملتی ہو گی ناء،" چاچا بولا۔

"وہ کوئی مزار ہے؟" سائیں نے کہا۔ "مشٹنڈوں کا ڈیرہ ہے۔ میرا دِل کہتا ہے اُس مزار میں کوئی کھچر دبایا ہُوا ہے۔ اُدھر کوئی فقیر بھی جاتا ہے تو اُس کے کپڑے اُتار لیتے ہیں۔ مَیں کہتا ہُوں جرنیل سنگھ، تُو اُن کو مار کر وہاں سے دوڑا دے تو بہتوں کا بھلا ہو۔"

جرنیل سنگھ کے ساتھ بیٹھے ہُوئے دو جوان اَور ایک ادھیڑ عُمر سِکھ باری باری ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوتل سے مُنہ لگا کر پی رہے تھے۔ جرنیل سنگھ نے مڑ کر دیکھا اَور ہاتھ بڑھا کر اُن سے بوتل چھین لی۔

"ہا---- جرنیل سینہاں، خُوشی کا مَوکا ہے!" ادھیڑ عُمر سِکھ بولا۔

"تیری مَوت کا مَوکا بھی ابھی آئے گا جب تو بڑ بڑ کرنے لگے گا اَور سارے باڈر کو جگا دے گا۔ چلو مٹھیائی کھاؤ، تُمہارا دماغ کُچھ اَپنی جگہ پر بیٹھے۔"

تینوں بے دِلی سے شکر پارے اَور جلیب کے ٹکڑے اُٹھا اُٹھا کر مُنہ میں ڈالنے لگے۔ جرنیل سنگھ کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی پر پٹی لپٹی تھی۔ اُس نے پٹی کھولی تو اُنگلی کے پورے پر کٹے ہوئے ماس کا چیر لگا تھا۔ اُس نے بوتل کے ڈھکنے میں تھوڑی سی شراب اُنڈیلی اَور اُنگلی اُس میں ڈبو دی۔

"زخم آگیا ہے جرنیل سینہاں؟" چاچے احمد نے پُوچھا۔

"آیا کدھرسے ہے، آپ ہی لگایا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیا بتاؤں بھائی احمد، میری تو زندگی ختم ہو گئی ہے۔"

"اللہ رحم کرے، کیا بات ہے؟"

"میرے پیٹ میں دیر سے تکلیف اُٹھتی تھی۔ آخر مَیں ڈاکدر کے پاس گیا۔ اُس سُور کی ہڈی نے دوائی شوائی کوئی نہ دی، بس دارُو پینے سے روک دیا۔ اب یہ دیکھ لے کیا کسب کرتا ہُوں۔ اُنگلی کو چیرا دے کر دارُو میں تھوڑی دیر رکھتا ہُوں تو کُچھ سُرور آجاتا ہے۔ میری تو زندگی ختم ہو گئی ہے احمد خاں۔"

"اللہ رحم کرے گا" چاچے نے کہا۔

اب پرات میں چند ٹُونے پھُونے جلیب اَور شکر پارے رہ گئے تھے۔ جرنیل سنگھ نے اُنگلی شراب سے نکالی، ڈھکنے کی شراب احتیاط سے واپس بوتل میں اُنڈیلی، ڈھکنا اُوپر کسا اَور بوتل کو تہمد کی ڈب میں اُڑس لیا۔ پھر اُس نے اُنگلی پہ پٹی لپیٹی اَور پرات اُٹھا کر زمین پر اُلٹ دی، گویا محفل کے خاتمے کا اعلان کر رہا ہو۔ سب اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

"تجھے دیکھ کر خُوشی دُونی ہو گئی ہے احمد خان!" جرنیل سنگھ نے چاچے کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آج سویرے ہمیں خبر ملی تو اَپنے خواب میں بھی نہیں تھا کہ تُو اِدھر پہنچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ ہم تو بات کے پیچھے چلے آئے۔"

"جرنیلے،" چاچا نیچی آواز میں للکار کر بول، "تو بات کے پیچھے باذر پار کر کے آیا ہے تو سمجھتا ہے کہ تیری بات میری بات سے بڑی ہو گئی؟ میری لات بھی کٹ جاتی تو میں اِدھر پہنچتا۔"

"مانتا ہُوں احمد خان، مانتا ہُوں۔ چل اب غُصہ نہ کر۔"

دونوں نے ہاتھ پہ ہاتھ مارا اَور اَپنے اَپنے راستے پر ہولِئے۔ یخ ٹھنڈی رات کے اَندھیرے میں آسمان پہ ستارے اَپنے حجم سے بڑے نظر آرہے تھے۔ کالے کمبلوں میں لپٹے، سایوں کی مانِند کھیتوں کے بیچ بیچ چلتے وہ گاؤں کی راہ ماپ رہے تھے۔

"میرے پیٹ میں گڑبڑ ہے،" سائیں جلّا چاچے کے بوجھ تلے بھاری بھاری سانس لیتا ہُوا بولا۔

"تیرے معدے میں جلیب بول رہے ہیں،" چاچے نے کہا۔ "دو ثابت جلیب اَور دس شکر پارے تُو میری آنکھوں کے سامنے ہڑپ کر گیا ہے۔"

"تُو گنتا رہا ہے؟"

"ہاں۔ اب بہانے نہ بنا۔ چلتا چل، رستہ تھوڑا رہ گیا ہے۔"

سائیں نے زور لگایا تو اُس کی ہوا چھوٹ گئی۔ دونوں لڑکے ہنس پڑے

"چُپ کرو بدماشو!" چاچا سائیں کی طرف داری کرتا ہُوا بولا۔

"ابا!" عباس نے کہا، "سائیں کہتا تھا کِسی کی آواز نہ نِکلے۔ اب گولے چھوڑ رہا ہے۔"

"مَیں کل ہریاں والے مزار پر جارہا تھا!" سائیں دکھی آواز میں بولا! "پتا نہیں کیوں رُک گیا، میری قسمت میں پینڈا لکھا تھا۔"

"ناشکری نہ کر!" چاچے نے کہا! "ہریاں والے میں تجھے جلیب کَون دیتا۔"

"سائیں،" اعجاز نے پُوچھا۔ "ہر ایک مزار پر باری باری جاتے ہو؟"

"اونہوں،" سائیں نے سَر ہلایا۔ "وقت مقرر ہوتا ہے۔"

"کون مقرر کرتا ہے؟"

"مجھے نشانی ملتی ہے۔"